نیّرمسعود

باد نما

مچھلی اور پرندے کی ملی جلی ہیئت والا ہمارا باد نما ہوا کا رخ بتانا کب کا چھوڑ چکا تھا، پھر بھی میرے باپ کی زندگی تک یہ ہمارے مکان کی چھت پر لگا رہا۔ کبھی کبھی ان سے کہا جاتا کہ اب جب یہ صحیح کام نہیں کر رہا ہے، اسے چھت پر سے اتار لیا جائے، لیکن وہ ہر بار یہی جواب دیتے تھے کہ اس کی جگہ چھت پر ہے اور یہ وہاں نہیں تو اور کہاں رہے گا۔ کبھی وہ یہ بھی کہتے تھے کہ یہ ہمارے مکان کی پہچان ہے اور اس کا اصل مصرف بھی یہی ہے ورنہ ہوا کا رخ معلوم کرنے کی کس کو ضرورت پڑتی ہے۔

مجھ کو ضرورت پڑتی تھی۔ مجھے پتنگ اڑانے کا شوق تھا۔ لیکن میں بادنما کا محتاج نہیں تھا۔ دن کے وقت اکثر میری نظر یں آسمان پر اڑتی ہوئی رنگ برنگی پتنگوں کی طرف اٹھتی رہتی تھیں۔ دور یا قریب کسی بھی پتنگ کو دیکھ کر میں بتا سکتا تھا کہ ہوا کس طرف کی ہے۔ میں یہ بھی بتا سکتا تھا، جو بادنما نہیں بتا سکتا تھا، کہ ہوا دھیمی ہے یا تیز، یا خانے دار۔ شام کا اندھیرا پھیل جاتا تو اڑتی ہوئی پتنگیں اتار لی جاتیں، اور آسمان میں سنّاٹا سا ہو جاتا تھا۔ اس کے بعد سے صبح ہونے تک البتّہ ہوا کا رخ معلوم کرنے کے لیے بادنما کی محتاجی ہو سکتی تھی، لیکن پتنگ اڑانے کا وقت ختم ہو جانے کے بعد مجھ کو ہوا کا رخ جاننے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، اور اگر پڑتی بھی تو اندھیرے میں بادنما دکھائی نہیں دیتا تھا۔

کبھی کبھی میں آسمان پر اڑتی ہوئی کسی پتنگ کو دیکھنے کے بعد ایک نظر چھت پر لگے ہوے بادنما پر بھی ڈال لیتا اور دیکھتا تھا کہ وہ بالکل صحیح کام کر رہا ہے۔ میں اسے اس وقت ضرور دیکھتا تھا جب دوپہر کی گرم دھوپ میں اڑتی ہوئی سب پتنگوں کو آہستہ آہستہ ایک ہی جانب سرکتے دیکھ کر مجھ کو اندازہ ہوجاتا کہ ہوا چلتے چلتے رخ بدل رہی ہے۔ اس وقت بادنما بھی بہت آہستہ آہستہ، جیسے اپنی مرضی کے خلاف، لیکن چپ چاپ اور سہولت کے ساتھ، داہنے یا بائیں گھوم کر ہوا کے رخ پر تھم جاتا۔ ایسے موقعوں پر میں اس کے قریب چلا جاتا تھا۔

ایسے ہی ایک موقعے پر میں نے پہلی مرتبہ اس کی آواز سنی۔ میں اس کے اور زیادہ قریب ہو گیا، لیکن اب وہ ہوا کے رخ پر قائم ہو چکا تھا اور خاموش تھا۔ اس دن میں نے اس کو دیر تک اور بہت قریب سے دیکھا۔ دور سے وہ مچھلی اور پرندے کی ملی جلی ہیئت والا کوئی جانور معلوم ہوتا تھا، لیکن اب میں نے دیکھا کہ اس کی بناوٹ میں پرندوں والی کوئی بات نہیں تھی۔ وہ صرف مچھلی کی ہیئت کا تھا، البتّہ بنانے والے نے اس کو اس کے دُھرے پر اس طرح بٹھایا تھا جس طرح پرندے درخت کی پُھنگی پر بیٹھتے ہیں۔ اس کی دم اور پہلوؤں کی پنکھیاں بھی ویسی ہی تھیں جیسی مچھلیوں کی ہوتی ہیں لیکن دور سے ان دونوں چیزوں پر کسی پرندے کی پھیلی ہوئی دم اور کھلے ہوے پروں کا دھوکا ہوتا اور ایک نظر میں وہ مچھلی نہیں، صرف پرندہ معلوم ہوتا، شاید اس لیے بھی کہ اس کا تعلق پانی سے نہیں، ہوا سے تھا۔ دور سے دیکھنے میں وہ نازک اور سبک بھی معلوم ہوتا تھا لیکن قریب سے کچھ بھدّا اور موٹا موٹا بنا ہوا نظر آرہا تھا اور صاف معلوم ہوتا تھا کہ اسے سخت موسموں کو جھیلنے اور ہر طرح کی ہواؤں کا سامنا کرنے کے لیے بنا یا گیا ہے۔

میں دیر تک اسے تکے جارہا تھا اور ٹھیک اس وقت جب وہ صرف مچھلی نظر آرہا تھا، مجھے خیال ہونے لگا کہ دراصل یہ پرندہ ہے جو کسی عجیب طریقے سے مچھلی بن گیا ہے۔ اور ٹھیک اسی وقت میری نظر اس کی سیدھ میں اڑتی ہوئی ایک پتنگ پر پڑی اور میں نے دیکھا کہ دھیمی چلتی ہوئی ہوا پھر رخ بدل رہی ہے۔ میری نظر لوٹ کر بادنما پر رکی۔ وہ اپنے پہلے والے رخ پر قائم تھا اور ہلکے ہلکے تھر تھرا رہا تھا۔ میں نے آہستہ آہستہ اس کو بدلتی ہوئی ہوا کے رخ پر گھمایا اور اس میں ایک بار پھر مجھے اس کی مدّھم سی آواز سنائی دی۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ آواز اس کے کس پرزے سے آئی ہے۔ میری سمجھ میں اس وقت یہ بھی نہیں آیا کہ اس کی خرابی کی شروعات ہوچکی ہے۔ میں اس کی آواز پر زیادہ غور کر رہا تھا جو میری پہچانی ہوئی سی تھی لیکن مجھے یاد نہیں آرہا تھا کہ میں نے اسے کہاں سنا تھا۔ میں نے بادنما کے ہر حصے کو دیکھا۔ لیکن اب اس کی تھر تھراہٹ رک چکی تھی اور وہ ہوا کے رخ پر قائم ہوگیا تھا۔

اس کے بعد کئی بار میں نے اس کو ہوا کا غلط رخ بتاتے دیکھا اور ہر بار سوچا کہ اپنے باپ کو بتادوں کہ ہمارا بادنما غلط کام کر رہا ہے۔ لیکن کبھی کبھی وہ صحیح کام بھی کرنے لگتا تھا، اس لیے میں نے کسی سے کچھ نہیں کہا، البتّہ اب میں چھت پر پہنچتا تو میری نظر

بادنما پر سب سے پہلے پڑتی، پھر میں آسمان میں کسی پتنگ کو تلاش کر کے پتا لگاتا کہ ہوا کس طرف کی چل رہی ہے۔ زیادہ تر ہوا کسی دوسری طرف کی ہوتی تھی۔ کبھی کبھی ہوا چلتے چلتے رخ بدل کر اس طرف کی ہو جاتی جدھر بادنما کا رخ پہلے ہی سے ہوتا۔ ایسے موقعوں پر مجھے خیال ہوتا کہ ہمارا بادنما ہوا کا پابند نہیں، ہوا اس کی پابند ہے۔ اس وقت میرے لڑکپن کے دماغ میں اور بھی عجیب عجیب خیال آنے لگتے تھے جن میں سب سے عجیب خیال یہ ہوتا تھا کہ بادنما نہ صرف خود غلط رخوں پر گھومتا ہے بلکہ ہواؤں کو بھی غلط رخ پر موڑ سکتا ہے۔

آخر ایک دن وہ ایسے رخ پر رک گیا جدھر کی ہوا کبھی نہیں چلتی تھی۔ تیز گرم ہواؤں کی فصل آپہنچی تھی اور پتنگ بازی کا موسم جاچکا تھا۔شروع دوپہر کی ہوا گرم ہوچلی تھی اور میرے بدن کو اس کا لمس محسوس ہو رہا تھا لیکن ابھی اس کی رفتار میں اتنی تیزی نہیں آئی تھی کہ محض لمس کی مدد سے میں اس کے رخ کا پتا لگا سکتا۔ ایسے موقعوں پربھی مجھے بادنما کی محتاجی نہیں ہوتی تھی۔ میں دوڑتا ہوا چھت سے نیچے اترا، اپنے لکھنے پڑھنے کے سامان میں سے کاغذ کا ایک ورق لیا اور صحن کے کوڑے میں سے ٹوٹی ہوئی صراحی کا ایک ٹکڑا اٹھایا۔ دوبارہ چھت پر پہنچتے پہنچتے میں کاغذ کے گول ٹکڑے پھاڑ کر، جنھیں ہم ٹِکل کہتے تھے، ان کی چھوٹی سی گڈّی بنا چکا تھا۔ بادنما کے پاس میں نے گڈّی کے نیچے ٹھیکرا لگا کر اس کو سیدھا اوپر اچھال دیا۔ ٹھیکرا کچھ دور تک گڈّی کو اپنے اوپر لیے ہوے اٹھتا چلا گیا، ایک لمحے بھر کے لیے فضا میں رکا، پھر گڈّی کو وہیں چھوڑ کر نیچے اترنے لگا۔ گڈّی بھی دَم بھر کو اپنی جگہ پر ٹھہری رہی، پھر اس کے ٹکل منتشر ہو کر اِدھر اُدھر پھیلے۔ اسی وقت مجھ کو بادنما کی کمر پر ٹھیکرے کے گرنے کی کھوکھلی سی آواز سنائی دی اور میری نظر ٹکلوں پر سے ہٹ گئی۔ بادنما میں ہلکی سی تھرتھراہٹ پیدا ہو کر ختم ہو رہی تھی۔ میں نے آہستہ آہستہ اس کی کمر پر ہاتھ پھیرا، جیسے بچّوں کو چوٹ آنے پر یا جانوروں کو ان سے خوش ہو کر سہلایا جاتا ہے۔ پھر میری نظر اوپر اٹھی۔ سارے ٹکل ہوا میں الٹ پلٹ ہوتے ایک ہی سمت، مغرب سے مشرق کی طرف، جا رہے تھے۔ پھر وہ میرے مکان کی چھت سے نیچے ہوگئے۔

میں نے بادنما کی طرف دیکھا۔ وہ اسی رخ پر رکا ہوا تھا جدھر کی ہوا نہیں چلتی تھی۔ میں نے اسے موڑنے کی ہلکی سی کوشش کی لیکن وہ اپنے رخ پر جم گیا تھا۔ میں نے

اس کو دوسری طرف گھمانا چاہا لیکن اس کو جنبش نہیں ہوئی۔ میں نے اسے گھمانے کے لیے تھاڑا سا زور لگایا تو وہ پھر ہلکی آواز نکال کر تھرتھرایا اور مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر زیادہ زور لگاؤں گا تو اس کا کوئی پرزہ یا وہ خود ٹوٹ جائے گا۔ میں زرا پیچھے ہٹ کر اسے دیکھ رہا تھا۔ ٹھیک اس وقت میں نے ایک اور آواز سنی:

''کیا یہ خراب ہوگیا؟''

میرے مکان سے ملے ہوے مکان کی چھت پر ایک نوجوان لڑکی کھڑی تھی۔ ہوا اس کے باریک دوپٹّے میں ہلکی ہلکی لہریں ڈال رہی تھی اور اس کی نظریں بادنما پر جمی ہوئی تھیں۔ پھر اس نے میری طرف دیکھا۔ یہ لڑکی اور پڑوس کے دوسرے گھروں کی لڑکیاں بھی اچھے موسم میں اپنی اپنی چھت پر آجاتیں اور آواز دبا کر آپس میں باتیں کرتی تھیں۔ کبھی کبھی ان میں سے کسی کے ساتھ اس کی سہیلیاں بھی ہوتیں، اور اس وقت وہ سب زور زور سے بولتیں اور ہنستی تھیں۔ ان موقعوں پر وہ ہمارا بادنما بھی دیکھتی اور ایک دوسرے کو دکھاتی تھیں۔ میری توجہ ان سے زیادہ اپنی پتنگ بازی کی طرف رہتی لیکن ان کی آوازیں سن کر مجھ کو ان چھوٹی چھوٹی چڑیوں کا خیال ضرور آتا تھا جو ہمارے صحن کی منڈیروں پر چھائی ہوئی بیلوں میں شام کو بسیرے کے وقت خوب چہچہاتی تھیں۔

یہ لڑکیوں کے چھت پر آنے کا وقت نہیں تھا۔ سنسان دوپہر میں اپنی چھت پر اکیلی کھڑی اس لڑکی کو بادنما کی طرف دیکھتے دیکھ کر مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے میرے گھر کا کوئی راز کھل گیا ہو۔ اتنے میں اس نے پھر پوچھا:

''خراب ہوگیا؟''

''نہیں،'' میں نے کہا، ''ٹھیک ہے۔''

''کیوں؟'' اس نے اپنے دوپٹّے کو دیکھتے ہوے کہا، ''ہوا تو ...''

''ہوا غلط چل رہی ہے،'' میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی کہا۔

وہ اس کے بعد بھی کچھ دیر تک کھڑی اداس نظروں سے بادنما کو دیکھتی رہی، پھر مڑی اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی چھت کے دوسرے سرے کے زینوں پر اتر گئی۔

میں نے سوچا اب اپنے باپ کو اطلاع کردوں کہ بادنما خراب ہوگیا، پھر یہ خیال کر کے رک گیا کہ دو تین دن تک اور اس کو دیکھ لوں۔ البتّہ اب میں دن میں کئی کئی بار چھت پر

جاتا اور بادنما کو اسی ایک رخ پر ٹھہرا ہوا دیکھ کر چلا آتا تھا۔ میں دن کے ابتدائی حصّے میں چھت پر ضرور جاتا اور اسے دیکھتا رہتا یہاں تک کہ دھوپ بڑھ جاتی اور ہوا گرم ہو جاتی۔ اس میں کبھی کبھی مجھے نیند کے جھونکے بھی آنے لگتے، پھر آس پاس کی کوئی آواز مجھ کو ہوشیار کر دیتی تھی۔ ایسے ہی ایک موقعے پر میں سرسراہٹ کی آوازیں سن کر چونک پڑا۔ میں نے اوپر دیکھا۔ ہر طرف رنگ برنگی پتنگیں اڑتی دکھائی دے رہی تھیں جس طرح بعض تہواروں کے دنوں میں دکھائی دیتی ہیں۔ میں کچھ دیر تک ان کے جمگھٹ کو دل چسپی سے دیکھتا رہا، پھر مجھے بادنما کا خیال آیا اور میں نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کا رخ اُدھر کا ہو گیا تھا جدھر پتنگیں ہوا کا رخ بتا رہی تھیں۔ میں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ پتنگیں آہستہ آہستہ داہنی جانب سرک رہی تھیں۔ میں نے بادنما کی جانب دیکھا۔ وہ بھی آہستہ آہستہ داہنی طرف مڑ رہا تھا۔ میں یٹھ کر اس کی طرف بڑھنے کو تھا کہ میرے منہ پر گرم ہوا کا طمانچہ سا پڑا اور میری آنکھ کھل گئی۔ دھوپ تیز ہوگئی تھی اور زمین تپنے لگی تھی۔ میں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ کہیں کوئی پتنگ نہیں اڑ رہی تھی، البتّہ میرے بدن کو جلاتی ہوئی تیز رفتار ہوا کے لمس سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ مغرب سے مشرق کی طرف چل رہی ہے۔ لیکن بادنما اسی اجنبی رخ پر رکا ہوا تھا۔ میں اٹھ کر اس کے بالکل قریب چلا گیا۔ اس کے داہنے پہلو سے ٹکراتے ہوے گرم جھکّڑ اسے چھت سے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش کرتے معلوم ہورہے تھے، لیکن وہ پتھر کی مورت کی طرح اپنے رخ پر جما ہوا تھا اور تھرتھرا بھی نہیں رہا تھا۔ تب مجھے بالکل یقین ہوگیا کہ وہ بے کار ہوچکا ہے، اور میں اپنے باپ کو یہ خبر سنانے کے لیے تیزی کے ساتھ زینے اترنے لگا۔ مجھے کچھ خوشی بھی محسوس ہو رہی تھی، جس طرح بچّوں کو، بلکہ اب کہہ سکتا ہوں بڑوں کو بھی، اس وقت محسوس ہوتی ہے جب انھیں کوئی خاص خبر، خواہ وہ بری ہی خبر ہو، سب سے پہلے سنانے کو مل جاتی ہے۔

زینے اترتے ہوے مجھے یہ بھی یاد آیا کہ خواب میں مجھ کو باندما پر غصّہ آرہا تھا لیکن اب، جاگنے کے بعد، مجھ کو یاد نہیں تھا کہ میرے غصّے کا سبب کیا تھا۔

میں سیدھا باہر والے ملاقاتی کمرے میں پہنچا جہاں میرے باپ بید کی لمبی سی نیچی کرسی پر آدھے لیٹے آدھے بیٹھے رہتے تھے۔ میں انھیں بہت زمانے سے اسی کمرے میں اسی

کرسی پر دیکھ رہا تھا لیکن مجھے یاد ہے کہ پہلے وہ مکان کے اندرونی حصّے میں رہتے تھے، البتّہ ان کو بار بار ملاقاتی کمرے میں جا کر بیٹھنا پڑتا تھا اس لیے کہ ان کے پاس ملنے والے بہت آتے تھے۔ ملنے والے ان کے پاس اب بھی بہت آتے تھے، لیکن اس وقت اس کمرے میں صرف میری ماں ان کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ بھی شروع میں مجھ کو نظر نہیں آئیں۔ میں تیز دھوپ سے آیا تھا اور مجھے کمرے میں اندھیرا پھیلا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ بید کی کرسی بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی لیکن مجھے یقین تھا کہ اس پر میرے باپ موجود ہوں گے، بلکہ کئی ملاقاتی بھی کمرے میں بیٹھے ہوں گے، اس لیے میں نے زرا جوش کے ساتھ اور کچھ اعلان کرنے کے سے انداز میں بادنما کی خبر سنادی۔ یہ بھی بتا دیا کہ کئی دن سے وہ ایک غلط رخ پر آکر ٹھہرا ہوا ہے، اور یہ بھی کہ اس کے پرزے شاید آپس میں الجھ گئے ہیں۔ اتنی دیرمیں کمرے کا اندھیرا چَھٹ گیا اور میں نے دیکھا کہ ماں ہونٹوں پر انگلی رکھ رکھ کر مجھے چُپ رہنے کا اشارہ کر رہی ہیں۔ میں چُپ ہو گیا۔ یوں بھی چُپ ہو جاتا اس لیے کہ جو کہنا تھا وہ کہہ چکا تھا۔ میں نے اپنے باپ کی طرف دیکھا۔ وہ کمر تک چادر اوڑھے آنکھیں بند کیے اپنی کرسی پر قریب قریب لیٹے ہوے تھے۔ ان کے چہرے پر پھیلی ہوئی آسودگی سے ظاہر تھا کہ وہ گہری نیند سو رہے ہیں۔

میں خاموش تھا لیکن میری ماں نے ایک بار پھر اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھی، مجھے قریب بلایا اور سرگوشی میں کہا، ''مشکل سے سوئے ہیں۔''

اس وقت میرے باپ کی آواز سنائی دی: ''کیا ہوا؟ کون خراب ہو گیا؟''

میری ماں نے پھر مجھے چُپ رہنے کا اشارہ کیا اور پھر سرگوشی میں کہا، ''سو رہے ہیں۔''

باپ کے چہرے اور بند آنکھوں سے اسی طرح آسودگی ظاہر تھی۔ ہم دونوں کچھ دیر تک ان کو دیکھتے رہے، پھر ماں نے آہستہ سے پوچھا، ''تمھیں کوئی کام تو نہیں ہے؟''

پتنگ بازی کا موسم ختم ہونے کے بعد سے مجھ کو فرصت تھی۔ میں نے سر کے اشارے سے بتادیا کہ مجھے کوئی کام نہیں ہے۔

''تو زرا دیر ان کے پاس بیٹھ جاؤ،'' انھوں نے کہا، ''ہم ابھی آرہے ہیں۔''

میں باپ کے قریب بیٹھ گیا۔ ماں اٹھ کر کمرے کے باہر جانے لگیں، پھر رک کر مڑیں، مجھ کو اشارے سے قریب بلایا اور پہلے سے بھی زیادہ دھیمی سرگوشی میں پوچھا، ''وہ سچ

مچ خراب ہو گیا؟''

میں سر کے اشارے سے جواب دینے کو تھا کہ میرے باپ نے کروٹ بدلنے کی کوشش کی۔ یہ ان کے لیے مشکل کام ہوتا تھا اور اس میں انھیں مدد کی ضرورت پڑتی تھی۔ ان کی آنکھیں دو تین بار کھل کر بند ہوئیں۔ اتنی دیر میں ماں نے کرسی کے قریب آکر ان کو احتیاط کے ساتھ کروٹ بدلوادی اور وہ پھر سو گئے۔ ماں نے جھک کر میرے کان میں کہا، ''ان کو نہ بتانا،'' اور کمرے سے باہر چلی گئیں۔

میں خاموش بیٹھا اپنے باپ کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اسی طرح آسودہ چہرے کے ساتھ آنکھیں بند کیے لیٹے ہوے تھے۔ اور اسی طرح آنکھیں بند کیے کیے انھوں نے پوچھا: ''وہ کب سے خراب ہے؟''

کیا یہ سوتے میں بول رہے ہیں؟ میں نے اپنے آپ سے پوچھا۔ لیکن اسی وقت ان کی آنکھیں کھُل گئیں اور چہرے سے تکلیف ظاہر ہونے لگی۔ وہ پھر کروٹ بدلنا چاہ رہے تھے۔ میں نے ان کی مدد کرنے کی کوشش کی تو انھوں نے مجھے روک دیا اور بولے، ''اپنی ماں کو آجانے دو۔''

''انھیں بلاؤں؟'' میں نے اٹھتے ہوے پوچھا۔

''نہیں۔ آتی ہوں گی،'' انھوں نے کہا اور پھر پوچھا، ''کب سے خراب ہے؟''

میں نے خود کو جواب دینے پر مجبور پایا اور اس مجبوری پر کچھ خوشی محسوس کی۔ مجھے بادنما کی خرابی کی ابتدا کا دن یاد آیا جب ہو ارخ بدل رہی تھی لیکن وہ اپنے پہلے والے رخ پر قائم رہا تھا۔ میں نے انھیں اس دن سے لے کر آج تک کی باتیں بتا دیں۔ جو بات نہیں بتائی تھی وہ انھوں نے خود پوچھ لی: ''تم نے اسے ٹھیک کرنے کی کوشش کی تھی؟''

میں نے صاف انکار کردیا۔ وہ خاموشی کے ساتھ میری طرف اَدھ کھلی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔ مجھ کو شبہہ ہوا کہ انھیں میری بات کا یقین نہیں آیا اور میں خود کو مجرم سا محسوس کرنے لگا۔ کسی مجرم ہی کی طرح میں کوئی اور جھوٹ سوچ رہا تھا کہ وہ بولے، ''اچھا خیر، اس سے چھیڑ چھاڑ نہ کرنا۔ اور ...'' انھوں نے میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھا، ''اپنی ماں کو نہ بتانا۔''

وہ کچھ اور کہنے کو تھے لیکن کمرے کے دروازے پر آہٹ سن کر رک گئے۔ میری ماں ان

کے لیے کچھ کھانے کو لائیں تھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ کرسی کے قریب پہنچتیں باپ نے میرا ہاتھ آہستہ سے دبایا اور بولے، ''کسی کو بھی نہ بتانا۔''

لیکن دوسرے دن وہ ملاقاتیوں میں گھرے ہوے تھے اور سب کے سب بادنما کی خرابی کی باتیں کر رہے تھے۔

(۲)

ملاقاتی، جیسا کہ میں نے بتایا، میرے باپ کے پاس بہت آتے تھے۔ ان میں نئے نئے لوگ بھی ہوتے تھے جن کو ایک دو بار میں نے دیکھا، پھر وہ نظر نہیں آتے تھے۔ ان بدلتے ہوے ملاقاتیوں کے علاوہ کئی لوگ ایسے بھی تھے جو ان کے پاس پابندی سے، قریب قریب روزانہ، آتے تھے۔ ان میں کا کوئی اگر کئی دن کے وقفے کے بعد آتا تو میرے باپ اس سے کبھی شکایت کے لہجے میں اور کبھی تشویش کے ساتھ، اس کی خیریت دریافت کرتے تھے۔ یہ ملاقاتی زیادہ تر میرے ہی محلّے کے رہنے والے تھے اور ان کے مکان ہمارے مکان کے آس پاس تھے لیکن میں نے ان کو گلی میں یا سڑک پر چلتے پھرتے بہت کم دیکھا، البتّہ جب میں پتنگ اڑانے کے لیے چھت پر جاتا تو ان میں سے بعض اپنے اپنے مکان کی چھت پر نظر آتے، زیادہ تر جاڑے کے دنوں میں دھوپ کھاتے ہوے۔ اس وقت یہ سب معمولی گھریلو لباس پہنے ہوتے تھے، لیکن یہی لوگ جب اپنے گھر سے نکل کر ہمارے یہاں آتے تو ان کے بدن پر سر سے پیر تک تکلّف کا لباس ہوتا تھا جیسے کسی تقریب میں آئے ہوں۔ اور میرے باپ بھی جب کوئی ان سے ملنے آتا تو روزمرّہ کے گھریلو لباس کی جگہ مہمانی میں جانے والا پورا لباس پہن کر ملاقاتی کمرے میں جاتے تھے۔ لیکن جب سے وہ مستقل اس کمرے میں رہنے لگے تھے، انھوں نے اپنے اوپر سے یہ پابندی ہٹالی تھی، اور ملاقاتیوں کے آنے پر پوشاک بدلنے کے بجاے کندھوں تک چادر اوڑھ لیتے تھے۔

مجھے اس کمرے میں ملاقاتیوں کو پہنچانے کے لیے اکثر جانا ہوتا تھا۔ کبھی کبھی میری ماں میرے ہاتھ ان کی خاطر مدارات کے لیے شربت وغیرہ بھی بھجواتی تھیں۔ ان موقعوں پر مجھ کو وہاں ہونے والی گفتگوؤں کا کان میں پڑنا اچھا معلوم ہوتا تھا، لیکن میں انھیں دھیان سے نہیں سن پاتا تھا؛ اس کمرے میں دیر تک ٹکتا ہی نہیں تھا۔ بس یہ جانتا تھا کہ وہ

سب، میرے باپ بھی، بہت عمدہ گفتگو کرتے ہیں اور ہنستے ہنساتے بھی خوب ہیں، حالانکہ میری موجودگی میں وہ لوگ چُپ چُپ سے ہو جاتے اور میں وہاں سے جلدی ہی چلا آتا۔

لیکن اس دن جب میں کھانے کے سامان کی کشتی لے کر وہاں پہنچا تو سارے ملاقاتی ایک دَم سے خاموش ہو کر اس طرح میری طرف متوجہ ہوگئے کہ میں گھبرا کر رہ گیا اورخواہ مخواہ خود کو مجرم محسوس کرنے لگا۔ لیکن وہ سب، میرے باپ بھی، ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ میری طرف اس طرح دیکھ رہے تھے جس طرح مہربان بزرگ اپنے چھوٹوں کی طرف دیکھتے ہیں۔ کچھ دیر بعد ان میں سے کسی نے پوچھا: ''بیٹے، وہ جو چھت پر لگا ہے، ہوا بتانے والا...''

''وہ خراب ہو گیا ہے،'' میں نے فوراً بتادیا، پھر گھبرا کر اپنے باپ کی طرف دیکھا، لیکن ان کے ہونٹوں پر اب بھی مسکراہٹ تھی۔ انھوں نے بہت نرمی کے ساتھ کہا، ''انھیں پوری بات بتا دو۔''

''ہاں میاں، شروع سے آخر تک،'' ایک ملاقاتی نے کہا۔

میں نے انھیں بھی وہ سب بتا دیا جو باپ کو بتا چکا تھا، اور انھیں بھی یہ نہیں بتایا کہ میں نے اس کا رخ صحیح کرنے کی کوشش کی تھی۔

دیر تک کمرے میں خاموشی رہی یہاں تک کہ دھیرے دھیرے سب کے چہروں سے مسکراہٹیں غائب ہو گئیں۔ پھر کسی نے میرے باپ سے کہا، ''اسی لیے تو ہم کہتے ہیں، اسے اُتروا لیجیے۔''

جواب میں میرے باپ نے وہی باتیں کہیں جو میں شروع میں بتا چکا ہوں۔ پھر وہ سب کچھ اور باتیں کرنے لگے اور میں خالی کشتی لے کر وہاں سے چلا آیا۔

اس کے بعد میں نے اس کمرے میں بادنما کی باتیں کئی بار سنیں۔ لیکن رفتہ رفتہ اس کا ذکر کم ہوتا گیا، شاید اس لیے کہ ان روز کے ملاقاتیوں کی تعداد بھی گھٹتی جا رہی تھی۔

دو جاڑے گذرتے گذرتے وہ بہت کم رہ گئے۔ پھر ان میں سے بھی ایک ایک دو دو کر کے کم ہونے لگے۔ آخر میں صرف ایک ملاقاتی رہ گئے تھے جو کبھی کبھی چلے آتے تھے۔ اب ان کو چلنے میں مشکل ہوتی تھی۔ ان کے گھر کا کوئی آدمی انھیں پکڑا کر ہمارے یہاں پہنچاتا اور تھوڑی دیر کے بعد آکر لے جاتا تھا، لیکن اس زمانے میں بھی سر سے پیر تک ان کے بدن پر عمدہ لباس ہوتا تھا۔

ایک دن میرے سامنے یہ آخری ملاقاتی پھر میرے باپ سے بادنما کی باتیں کر رہے تھے۔ وہی پرانی باتیں تھیں اور میرے باپ وہی پرانے جواب دے رہے تھے۔ اس دن پہلی بار میں نے بزرگوں کی باتوں میں دخل دیا اور جو سوال کبھی کبھی میرے خیال میں آتا تھا وہ پوچھ لیا: ''اسے ٹھیک نہیں کرایا جاسکتا؟''

''کس سے؟'' میرے باپ نے مایوسی کے لہجے میں کہا۔

''اسے وہی ٹھیک کر سکتا تھا، بیٹے،'' ملاقاتی نے اور بھی مایوسی کے لہجے میں کہا، ''جس نے اسے بنایا تھا۔''

میرے باپ نے ان کی تائید میں مایوسی کے ساتھ سر ہلایا، پھر کہا، ''دوسرے اسے اور بھی خراب کردیں گے۔''

ملاقاتی نے بھی تائید میں مایوسی کے ساتھ سر ہلایا۔ پھر دونوں دیر تک اس طرح خاموش رہے جیسے بولے بغیر ایک دوسرے سے باتیں کر رہے ہوں، یہاں تک کہ ملاقاتی کے گھر کا نوکر ان کو واپس لے جانے کے لیے آگیا۔

ان کے جانے کے بعد باپ نے مجھ کو اپنے قریب بلایا۔

''اس کا خیال چھوڑ دو، بیٹے،'' انھوں نے کہا، ''اور اپنی ماں کی فکر کرو۔ دیکھتے ہو وہ ہمارے پیچھے خود کو ختم کیے لے رہی ہی؟''

اسی وقت میری ماں، جو شاید دیر سے ملاقاتی کے جانے کا انتظار کر رہی تھیں، کمرے میں آگئیں۔ وہ دونوں ہاتھوں سے تانبے کی ایک گول سینی سنبھالے ہوے تھیں۔ سینی کے بیچوں بیچ میں ایک انگیٹھی رکھی ہوئی تھی جس میں کوئلے دہک رہے تھے اور ان کے اوپر ایک چھوٹے سے برتن میں کوئی روغن گرم ہو رہا تھا۔ روغن کی خوش بو سارے کمرے میں بھر گئی اور کمرا گرم اور محفوظ معلوم ہونے لگا۔ ماں نے سینی کرسی کے قریب فرش پر رکھ دی، روغن کے برتن کو اپنے دوپٹّے سے پکڑ کر انگیٹھی پر سے اتارا اور اسے بھی فرش پر رکھ دیا۔ باپ انھیں دیکھتے رہے، پھر بولے، ''سارے کام آپ ہی کرتی ہیں۔ گھر میں اور لوگ نہیں ہیں کیا؟''

ماں کوئی جواب دیے بغیر ان کے بدن پر پڑا ہوا چادرا اتار کر تہہ کرنے لگیں۔

ہمارے گھر میں اور لوگ بھی تھے، لیکن میرے باپ کے سارے کام ماں ہی کرتی تھیں۔ انھوں نے کبھی کسی تکلیف کا ذکر نہیں کیا تھا اس لیے ہم لوگوں کو گمان نہیں تھا کہ وہ خود کو ختم کیے لے رہی ہیں۔ لیکن ایک صبح وہ بہت دیر تک بستر سے نہیں اٹھیں اور سہ پہر کو دور قریب کے رشتہ داروں کے بیچ میں ان کی میّت رکھی ہوتی تھی۔

اس دن گھر کے دوسرے لوگوں نے میرے باپ کے سارے کام کیے اور انھیں کچھ نہیں بتایا لیکن رات کو انھوں نے ماں کے بارے میں کچھ پوچھنے کے بجاے خود ان کی خبر سنا دی، پھر صرف اتنا کہا: ''ہم تو پہلے ہی کہتے تھے۔''

کئی دن تک وہ کسی سے کچھ نہیں بولے اور گھروالے ان کے کام کرتے رہے۔ ان کے پاس ملنے والوں کا آنا کب کا ختم ہوچکا تھا۔ ماں کے مرنے پر بھی کوئی نہیں آیا، یا شاید آیا ہو اور مجھے پتا نہ چلا ہو، لیکن اب گھروالوں میں سے کوئی نہ کوئی ان کے پاس ضرور موجود رہتا تھا۔ میں بھی دن میں کئی بار ان کے کمرے میں جاتا اور دیر تک وہیں رہتا تھا۔

ایک دن شام کے وقت، جب صحن کی بیلوں میں چڑیاں چہچہا رہی تھیں، میں باہری کمرے میں داخل ہوا تو وہاں میں نے اپنے باپ کے آخری ملاقاتی کو موجود پایا۔ میں ان کو مشکل سے پہچان سکا، لیکن یہ حساب نہیں لگا پایا کہ وہ کتنے دن بعد ہمارے یہاں آئے ہیں۔ مہمانوں والی کرسی پر وہ کچھ ٹیڑھے میڑھے سے بیٹھے ہوے تھے اور ان کے گھر کا ایک ملازم، جو خود سہارے کا محتاج معلوم ہوتا تھا، پیچھے کھڑا ہوا انھیں اِدھر اُدھر گرنے سے روک رہا تھا۔ اس مرتبہ ان ملاقاتی کے بدن پر روز مرّہ کا معمولی گھریلو لباس تھا، اور اب مجھے خیال آیا کہ وہ ہمارے مکان سے ملے ہوے مکان کی چھت پر جاڑوں کی دھوپ میں بیٹھا کرتے تھے اور صرف ایک کپڑا کمر سے لپیٹے ہوتے تھے، لیکن اس وقت میں انھیں باپ کے ملاقاتیوں سے الگ کوئی آدمی سمجھتا تھا۔

وہ سر جھکائے خاموش بیٹھے اِدھر اُدھر ہِل رہے تھے۔ میرے باپ بھی خاموش تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دونوں ایک دوسرے کی موجودگی سے بے خبر ہیں۔ میں بھی خاموش کھڑا تھا۔ دونوں کو دیکھتے دیکھتے ایک بار پھر مجھ کو ایسا معلوم ہونے لگا کہ وہ کچھ بولے

بغیر ایک دوسرے سے باتیں کر رہے ہیں۔ میں باپ کے سرہانے کی طرف تھا۔ ملاقاتی میرے سامنے تھے۔ ان کا بدن اب بھی ہِلے جا رہا تھا اور نوکر کبھی ان کو دونوں ہاتھوں سے سہارا دیتا، کبھی ایک ہاتھ سے انھیں سنبھالتا اور دوسری ہاتھ اس طرح ان کے اوپر جھلنے لگتا جیسے مکّھیاں اڑا رہا ہو۔ میں نے ملاقاتی اور باپ کے چہروں کو باری باری غور سے دیکھا اور مجھے آپ ہی آپ شبہہ ہونے لگا کہ وہ دونوں بادنما کی باتیں کر رہے ہیں۔ اور یہ شبہہ اس وقت یقین میں بدل گیا جب اچانک میرے باپ نے کہا، ''فائدہ؟ کچھ فائدہ نہیں، پھر بھی، وہ کسی کا کیا بگاڑ رہا ہے؟''

ملاقاتی دیر تک بیٹھے تائید کے انداز میں سر ہلاتے رہے۔ آخر بوڑھا نوکر انھیں سہارا دیتا ہوا واپس لے گیا اور اس میں دو بار خود بھی لڑکھڑا کر گرتے گرتے بچا۔

برسات ختم ہوتے ہوتے سب سمجھ چکے تھے کہ میرے باپ بہت دن نہیں جئیں گے۔ ان کی خبرگیری پہلے سے زیادہ ہو رہی تھی اور ان کی ہر ضرورت کا خیال رکھا جاتا تھا۔ جب بھی ان کا کوئی کام کیا جاتا وہ خوشی کے لہجے میں ہم سب کو دعائیں دینے لگتے تھے۔ لیکن وہ کچھ سوچتے بھی رہتے تھے۔ میں اب زیادہ تر ان کے کمرے میں رہتا اور انھیں سوچتے دیکھا کرتا تھا۔ ان کی آنکھیں کبھی پوری کبھی آدھی کھلی ہوتی تھیں، لیکن وہ کچھ دیکھتے نہیں معلوم ہوتے تھے۔ ان کو اس طرح دیکھتے دیکھ کر کبھی مجھ کو یہ خیال ہوتا کہ وہ میری ماں کو یاد کر رہے ہیں اور کبھی یہ کہ انھیں بادنما کا خیال آرہا ہے۔ لیکن اب ان کی حالت اتنی تیزی سے بگڑ رہی تھی کہ بہت جلد میں بادنما ہی کو نہیں، ماں کو بھی بھول گیا۔

آسمان پر بادل اب نظر نہیں آتے تھے۔ لیکن کبھی کبھی بادلوں کے بغیر ہی خاموشی کے ساتھ کوندا لپکنے لگتا اور لوگ بارش ہونے یا نہ ہونے کی پیش گوئیاں کرتے۔ ایک رات، جب چاند کی آخری تاریخیں تھیں، کوندے کی خاموش لپک بہت بڑھ گئی۔ میں باپ کے کمرے میں تھا۔ وہاں دن کو بھی تاریکی سی رہتی تھی، لیکن اس رات ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بہت تیز روشنیاں ایک ساتھ جل بجھ رہی ہیں۔ میرے باپ اپنی لمبی کرسی پر لیٹے دکھائی دیتے، پھر اندھیرے میں گُم ہو جاتے تھے۔ روشنی اور اندھیرے کا یہ منظر، جو بچپن میں مجھ کو اچھا لگتا تھا، اس وقت پورے کمرے کو کسی وحشت بھری کش مکش میں مبتلا دکھا رہا تھا۔

میرے باپ خاموش لیٹے ہوے تھے۔ اچانک مجھے شبہہ ہوا کہ وہ نزع کی کش مکش سے دوچار ہیں۔ میں نے سوچا گھر کے دوسرے لوگوں کو بلا لاؤں، لیکن اسی وقت مجھے باپ کی تھکی تھکی آواز سنائی دی:

''اوپر کون ہے؟''

میں ان کے قریب پہنچ گیا۔

''اوپر؟'' میں نے ان کی طرف جھک کر پوچھا۔

''چھت پر،'' انھوں نے کہا، ''کوئی بول رہا ہے۔''

میں نے کانوں پر زور دیا۔ ہر طرف خاموشی تھی، صرف کوندا لپک رہا تھا۔ میں نے کانوں پر اور زور دیا، اور اب مجھے بھی ایک مدّھم آواز سنائی دی۔ کچھ کراہنے کی سی آواز تھی، جیسی بہت بوڑھے لوگوں کے منھ سے اٹھتے بیٹھتے میں بلا ارادہ نکلتی ہے۔ لیکن یہ اوپر سے آتی نہیں معلوم ہورہی تھی، کسی بھی طرف سے آتی نہیں معلوم ہوتی تھی۔

مدّھم آواز پھر سنائی دی، اور اچانک مجھے یاد آگیا کہ یہ آواز بہت پہلے بادنما کے اندر سے ایک بار اس وقت آئی تھی جب ہوا رخ بدل رہی تھی، اور ایک بار اس وقت جب میں نے اس کو ہوا کے رخ پر گھمانے کی کوشش کی تھی۔

کوندا لپکا اور میں نے دیکھا کہ میرے باپ آواز سننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں نے ان سے کہا، ''اوپر جا کر دیکھے لیتا ہوں۔''

انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں تیزی کے ساتھ کمرے سے نکلا اور صحن سے گذر کر زینے چڑھتا ہوا چھت پر پہنچ گیا۔

بادنما کچھ دور پر بار بار چمکتا نظر آرہا تھا۔ کوندے کی لپک میں وہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے خالص چاندی کی بنی ہوئی کوئی نازک سی چیز ہو۔ میں نے قریب جا کر اسے دیکھا۔ وہ اسی اجنبی رخ پر رکا ہوا تھا اور اس میں نہ کوئی تھرتھراہٹ تھی نہ آواز۔ میں اس کے گرد گھوم گھوم کر اسے دیکھ رہا تھا، اور اسی میں ایک بار میں نے دیکھا کہ میرے مکان سے ملے ہوے مکان کی چھت پر کوئی کھڑا ہوا ہے۔ لپکتے ہوے کوندے میں اس کا چہرہ بار بار روشن ہو رہا تھا۔

ڈھلتی ہوئی عمر کی کوئی عورت معلوم ہوتی تھی۔ میں اس کو پہچان نہیں پا رہا تھا اور کوندے کی ہر لپک کے ساتھ اس کو غور سے دیکھتا تھا۔ آخر مجھے یاد آگیا کہ وہ اپنی

سہیلیوں کے ساتھ، اور اکیلی بھی چھت پر آیا کرتی تھی۔ اس وقت وہ اکیلی کھڑی اپنی چھت پر سے بادنما کو دیکھ رہی تھی اور میری موجودگی سے بے خبر نظر آتی تھی۔ میں نے بھی خود کو اس کی موجودگی سے بے خبر ظاہر کیا اور دھیرے دھیرے چلتا ہوا چھت سے نیچے اتر آیا۔

کمرے میں میرے باپ اسی کروٹ لیٹے ہوے تھے۔ میں دبے پاؤں آیا تھا لیکن انھوں نے میری آہٹ سن لی اور پوچھا: ''کوئی تھا؟''

میں نے انھیں بتا دیا کہ اوپر صرف بادنما ہے۔ یہ بھی بتا دیا کہ وہ خاموش ہے اور اپنے رخ پر رکا ہوا ہے۔ وہ بہت دیر تک خاموشی کے ساتھ اسی کروٹ لیٹے رہے۔ جب مجھے یقین ہو چلا تھا کہ وہ سو گئے ہیں تو انھوں نے ایک گہری سانس کھینچی اور کہا، ''اسے اتروا لینا،'' اور ایک اور گہری سانس کھینچی۔

میں ان کی آواز کی طرف دیکھتا رہا۔ کوندے کا لپکنا موقوف ہوچکا تھا اور آسمان پر بہت دور کہیں کوئی بادل گڑگڑا رہا تھا۔ میں نے کمرے کی واحد جلتی ہوئی دھندھلی روشنی میں باپ کے قریب جا کر ان کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ وہ گہری نیند سو رہے تھے اور ان کے سینے پر پڑا ہوا کپڑا دھیرے دھیرے اوپر نیچے ہو رہا تھا۔

———

اس کے بعد، جیسا کہ ہم سب پہلے ہی سمجھ گئے تھے، میرے باپ بہت دن زندہ نہیں رہے۔ ان کے حواس آخر وقت تک کام کرتے رہے اور وہ کچھ کچھ باتیں بھی کیا کرتے تھے۔ زیادہ تر اپنے تیمارداروں کو دعائیں دیتے تھے۔ کبھی کبھی افسوس بھی کرتے تھے کہ ان کی وجہ سے سب کو تکلیف ہو رہی ہے۔ لیکن بادنما کا انھوں نے نام بھی نہیں لیا۔ اس پر مجھے اتنی حیرت نہیں تھی جتنی اس پر کہ وہ ماں کا بھی ذکر نہیں کرتے تھے۔ آخری دن البتّہ انھوں نے ایک بار ماں کا پورا نام مع ولدیت لیا تھا لیکن اس کے آگے کچھ کہنے سے پہلے دَم توڑ دیا۔

(٤)

باپ کے مرنے کے بعد میں گھریلو معاملوں میں الجھا رہا۔ اس عرصے میں میرے محلّے کے کئی

مکانوں کے اوپر نئی منزلیں بن گئیں۔ ان تعمیروں نے میرے مکان کو اس طرح گھیرا کہ بادنما کو زمین پر سے دیکھنا ممکن نہیں رہا۔ شروع میں مجھ کو اس کا احساس نہیں ہوا تھا، لیکن ایک دن کہیں باہر سے گھر واپس آتے ہوے میں اس موڑ پر پہنچا جہاں سے میرے مکان کی چھت اور اس پر لگا ہوا بادنما دکھائی دیتا تھا۔ ایک مکان کی نئی اوپری منزل نے دونوں کو اپنی اوٹ میں لے لیا تھا۔ میں نے الگ الگ رخوں سے جا جا کر دیکھا۔ بادنما کسی بھی رخ سے نظر نہیں آرہا تھا۔

کئی بے سود چکّر لگانے کے بعد میں گھر میں آیا اور سیدھا چھت پر پہنچا۔ وہ پہلے کی طرح اپنے رخ پر جَما ہوا تھا اور اس کی ہیئت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ اس کے بدرنگ بدن اور بھدّی بناوٹ کو دیکھ کر میں نے حیرت کے ساتھ سوچا کہ کوندے کی روشنی میں وہ مجھے چاندی کا بنا ہوا اور نازک سا کیوں معلوم ہوا تھا۔ تاہم اس رات کے مقابلے میں اس وقت وہ زیادہ خوب صورت معلوم ہو رہا تھا۔

دوسرے دن ایک مستری چھت کے اس چھوٹے سے چبوترے کو کھود رہا تھا جس پر بادنما کا دُھرا قائم کیا گیا تھا۔ کام شروع کرنے سے پہلے مستری نے کہہ دیا تھا کہ وہ بادنما کو احتیاط کے ساتھ اتار تو لے گا لیکن اس کو دوبارہ صحیح زاویے پر لگا نہیں سکتا۔ اس پر میں نے کہا تھا: ''اب اس کو لگانا نہیں ہے۔'' اس کے بعد اس نے زرا اطمینان کے ساتھ اپنا کام شروع کردیا تھا۔

اس نے چبوترے کے مسالے کی کئی تہیں اتاریں یہاں تک کہ دُھرا ڈھیلا ہو کر ہلنے لگا۔ مستری نے کام کرتے کرتے میری طرف مڑ کر پوچھا، ''اسے کہاں رکھوائیے گا؟''

یہ میں نے نہیں سوچا تھا۔ اب تیزی کے ساتھ فیصلہ کر کے میں نے کہا، ''مچان پر یا کسی بڑے صندوق میں۔''

''اس طرح رکھے رکھے یہ خراب ہو جائے گا،'' اس نے کہا، پھر کچھ رک کر بولا، ''ہماری مانیے تو ایک بات کہیں۔''

میں نے اس کی بات مان لی۔

میرے پاس اُتنے ملاقاتی نہیں آتے جتنے میرے باپ کے پاس آتے تھے۔ یہ ملاقاتی بدلتے رہتے ہیں اور میرے یہاں صرف اس وقت آتے ہیں جب ان کو مجھ سے یا مجھ کو ان سے کوئی کام ہوتا ہے۔ ہر ملاقاتی شروع میں، کم سے کم پہلی بار، اس بھدّی سی مچھلی کو دل چسپی سے دیکھتا ہے جو ملاقاتی کمرے کے ایک گوشے میں بنے ہوے چھوٹے سے چبوترے پر دُھرے کے سہارے ٹِکی ہوئی ہے۔ فرش سے اس کی دُم اور سر کی اونچائی یکساں ہے جس کی وجہ سے یہ دُھرے کی نوک پر سیدھی سیدھی لیٹی ہوئی نظر آتی ہے، اور اسے دیکھ کر کسی کو خیال نہیں ہوتا کہ یہ کوئی پرندہ ہے اور اس کا تعلق ہواؤں سے ہے۔ سب اسے سجاوٹی چیز سمجھتے ہیں اس لیے کوئی مجھ سے نہیں پوچھتا کہ اس کا مقصد کیا ہے۔ میں بھی کسی کو نہیں بتاتا کہ یہ ہمارے یہاں کا بادنما ہے جو کام کرنا چھوڑ چکا ہے۔